عاکف کی مغربی تہذیب سے مخالفت

ڈاکٹر جلال سوئیدان*

Abstract:
This paper is about the attitude of Mehmet Akif towards the Western culture and civilization. A critical appraisal of Akif's poetic collection Safahat reveals a strong opposition against the Western political ideas and civilization. This conflict springs from two factors namely: the failed innovative movements that the Ottoman Empire experienced and Akif's own religion based political and social concept of the world. These two aspects constitute an inevitable conflict in Akif's mind which is clearly revealed through his poetry.

محمد عاکف ارصوئے (۱۸۷۳ـ۱۹۳۶ء) ترکی کے دورِ انقلاب کے سب سے بڑے شاعر اور مفکر تھے اور ان کی شاعری نے ترکی کے دور انقلاب کی جدو جہد میں ایک نئی روح پھونکی اور ولولہء تازہ قوم کو عطا کیا۔ اسی لیے وہ ترکی کے ملّی شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ عاکف کی نظموں کے مختلف موضوعات ہیں۔ انہوں نے ترکوں کی مذہبی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ لیکن موضوع خواہ کوئی بھی ہو ان کے سوچنے اور غور کرنے کا انداز ایک باشعور مسلمان کا انداز ہے۔ عاکف کے زمانے میں عالمِ اسلام کے بیشتر ممالک مغرب کی استعماری طاقتوں کے قبضے میں تھے اور چند ممالک جو بچے تھے وہ مغرب کے تباہ کن سیاسی افکار کی زد میں تھے۔ چنانچہ عاکف نے اپنی پوری شاعری میں ایک خاص پہلو پر نظر رکھی اور وہ یہ کہ اقوام مشرق اور خاص طور پر ترکوں کو مغربی تہذیب وسیاست کی برائیوں سے پوری طرح آگاہ کیا جائے اور انہیں یقین دلایا جائے کہ مغربی تہذیب اور افکار میں مسلمانوں کے لیے تباہ کن اثرات پوشیدہ ہیں۔

اس سے پہلے کہ ہم عاکف کی مغرب سے مخالفت کا جائزہ لیں ان کی سوانح پر مختصر سی نظر ڈالتے ہیں۔ عاکف ۱۸۷۳ء میں استنبول میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد طاہر افندی اپنے عہد کے ممتاز عالمِ دین تھے۔ عاکف نے انہی سے عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ طاہر افندی اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتے تھے لیکن عاکف ابھی پندرہ سولہ سال ہی کے تھے کہ وہ اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔ عاکف نے جدید طرز کے رشدیہ اور ملکیہ

---

* صدر شعبہء اُردو، انقرہ یونیورسٹی، ترکی۔

مدرسوں میں تعلیم کے بعد بیطاری کے مدرسے میں داخلہ لیا۔ جہاں سے انہوں نے ۱۸۹۴ء میں اول درجہ حاصل کر کے امتحان پاس کیا۔ تعلیم مکمل کر لینے کے بعد وہ مختلف محکموں میں ملازم رہے۔ ۱۹۱۳ء تک محکمہء زراعت میں ملازمت کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران بعض سرکاری فرائض کی انجام دہی کے لئے حکومت کی طرف سے جرمنی، شام، لبنان، سعودی عرب اور مصر بھیجے گئے۔ عاکف نے محکمہء زراعت کی ملازمت سے مستعفی ہونے کے بعد استنبول یونیورسٹی کے شعبہء ادبیات میں بطور استاد کام کیا۔ اسی دوران انہوں نے فرید وجدی، محمد عبدہ، جمال الدین افغانی اور اقبال جیسے مفکروں کے افکار کا مطالعہ کیا۔ یوں انہوں نے دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے اٹھنے والی انقلابی آوازیں اپنی شخصیت میں جمع کیں۔(۱)

۱۹۱۸ء میں جب استنبول پر اتحادیوں کا قبضہ ہو گیا تو عاکف اناطولیہ آ گئے اور اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ تحریکِ آزادی جاری رکھنے کے لیے ترکوں کی حوصلہ افزائی کرنے لگے۔ اس دوران میں وہ ترکی کی قومی مجلس کے رکن بھی منتخب ہوئے۔ تحریکِ آزادی کے دور ہی میں عاکف نے ترکی کا قومی ترانہ لکھا جو یکم مارچ ۱۹۲۱ء کو ترکی اسمبلی کی طرف سے ترکی کا قومی ترانہ قرار پایا۔ تحریکِ آزادی کی کامیابی کے بعد جب ترکی کی تشکیلِ نو کی جانے لگی تو وہ مصطفیٰ کمال اتاترک سے اختلاف رکھنے کے باعث خاموش ہو گئے۔ عاکف چونکہ ترکی کو آزاد اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے تھے لہٰذا اتاترک کی طرف سے کی گئی اصلاحات انہیں ناگوار گزریں اور وہ ترکِ وطن کر کے ۱۹۲۶ء میں مصر چلے گئے۔ لیکن وطن سے شدید محبت نے عاکف کو باہر نہیں رہنے دیا چنانچہ وہ ۱۹۳۶ء میں استنبول واپس آئے اور یہیں پر ۲۸ دسمبر ۱۹۳۶ء کو انتقال کر گئے۔

مغرب اور مغربیت کے بارے میں عاکف کی نظریات شروع ہی سے مخالفانہ رہے ہیں۔ اس مخالفت کے پس منظر میں کئی باتیں عامل نظر آتی ہیں۔ ان عوامل کے سرسری طور پر جائزہ لینے سے عاکف کی مخالفت کی اصلیت واضح ہوجاتی ہے: پہلی بات تو سلطنتِ عثمانیہ کے تاریخی تجربوں میں مضمر ہے۔ وہ یہ کہ سلطنت عثمانیہ کی بد حالی کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض اراکین سلطنت اور دانشوروں نے یہ خیال کیا کہ اس بد حالی کو دور کرنے کے لیے مغربی تہذیب اور اندازِ زیست اپنایا جائے۔ اس کوشش کو مغربیت کا نام دیا گیا اور یہ ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ سلطنتِ عثمانیہ کے ادیب اور دانشور طبقہ اس تحریک کے حق میں تھے۔ کیونکہ ملک کے حالات ہر لحاظ سے بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے اور اس زوال سے سلطنت کو بچانا ضروری تھا۔ چنانچہ ان کو ممالک مغرب کے نقشِ قدم پر چل کر ملک کو بچانا واحد راستہ نظر آ رہا تھا۔ مگر ایک اختلاف یہاں سامنے آیا کہ مغربی تہذیب کو کس قدر اپنایا جائے،

کیا اس کی سارے رہن سہن، معاشرتی آداب اور افکار و اطوار کو من وعن اپنایا جائے یا صرف اس سے علم وفن کا اکتساب کیا جائے؟

دراصل مغرب اور مغربی تہذیب نے اٹھارویں صدی کے بعد تُرک دانشوروں اور اراکین سلطنت کے ذہنوں میں اپنے نقوش ثبت کرنا شروع دیئے تھے۔ چنانچہ سلطنت عثمانیہ میں جدید اصلاحات کا آغاز اٹھارویں صدی کے نصف اول میں سلطان احمد ثالث (۱۷۰۳ تا ۱۷۳۰) کے زمانے سے ہوا۔ یہ اصلاحات زیادہ تر فوجی تعلیم، تنظیم اورفنِ جنگ سے تعلق رکھتی تھیں۔ علاوہ ازیں پہلا چھاپہ خانہ بھی اسی دور میں قائم ہوا تھا۔ اصلاحات کے اس پہلے دور کی خصوصیت یہ ہے کہ ان اصلاحات کے نفاذ میں علماء نے نمایاں طور پر حصہ لیا تھا۔ اصلاحات کے دوسرے دور کا آغاز سلطان سلیم کے زمانے میں ہوا اور اس دور کو دورِ تنظیمات کا نام دیا گیا۔ اس دور میں یورپ سے تُرکی کے قریبی تعلقات قائم ہوئے۔ یورپی ممالک میں ترکی سفارت خانے قائم کئے گئے۔ فوجی اصلاحات کے ساتھ ساتھ اب انتظامی، عدالتی اور تعلیمی شعبوں میں بھی اصلاحات کی گئیں۔ مغربی طرز کے مدرسے قائم کیے گئے اور مدرسوں کے لیے مغرب سے معلم لائے گئے۔ مگر اس دوسرے دور کی نئی اصلاحات علماء کی بجائے ان تُرک مدبّروں اور رہنماؤں کے ذریعہ نافذ کی جارہی تھیں جو سلطنت کی طرف سے سفارت یا دوسرے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں یورپ بھیجے جاتے تھے۔ چنانچہ ان سرکاری عہدے داروں اور مغربی طرز کے ان نئے مدرسوں نے علماء کو تعلیمی اور سیاسی زندگی سے تقریباً بے دخل کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح دینی مدرسوں کے تعلیم یافتہ علماء جدید علوم سے ناواقفیت کی وجہ سے قدامت پرستی کا شکار ہوگئے۔ اسی طرح نئے مدرسوں کے تربیت یافتہ طلبہ مغربیت کا شکار ہوگئے اور ان کے اندازِ فکر میں اسلام کو بنیادی اہمیت حاصل نہ رہی۔ دراصل عاکف کی مخالفت کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مغربی تہذیب، ترکوں کے اندازِ فکر میں اسلام کو خارج کرنے کا سبب بن گئی۔ اس لیے عاکف اس اندازِ فکر اور اندازِ زندگی کے خلاف ہوگئے۔ ان کے نزدیک تنظیمات کے رہنماؤں نے مغربی تہذیب کے سطحی اور غیر اخلاقی پہلوؤں کو اختیار کرلیا۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ تنظیمات کے اصلاحاتی دور میں مغربیت کا مفہوم نہایت سطحی معنوں میں لیا گیا تھا۔ یعنی دارالسلطنت میں تھیئٹر قائم کرنا، بال روم میں رقص کرنا، مغربی طرز کے لباس پہننا وغیرہ کو مغربیت سمجھ لیا گیا۔ یہاں تک کہ جو طالب علم اکتسابِ فن وصنعت کی خاطر یورپ بھیجے گئے وہ نہ صرف اپنی شخصیت کھو بیٹھے بلکہ بعض لوگوں کے نزدیک تہذیبِ مغرب اپنانے کے شوق میں اپنے مذہب اور نسلی شناخت بھی گنوا بیٹھے۔ (۳) عاکف اس پہلو پر یوں تنقید کرتے ہیں:

جو لوگ اپنے تئیں دانشور سمجھتے ہیں،
وہ تم سے کہتے ہیں کیا سن لو ذرا:
اقوامِ مشرق کی ترقی کے لیے ایک ہی راستہ ہے
علاوہ اس کے راہ ڈھنڈنے والا یقیناً نادان ہے
بس دیکھنا ہو گا کہ مغربی اقوام کس زمین پر چلتی ہیں
اور ہم کو بھی انہی نقشِ قدم پر چلنا ہوگا، دائیں یا بائیں مڑے بغیر
افکارِ مغرب کو مشرقیوں کے دماغوں کا حصہ بنانا ہوگا
سب کے جذبات کو ایک ہی قالب میں ڈھالنا ہوگا
اجتماعی، ادبی، القصہ ہر بات میں مغرب کی تقلید نہیں کی گئی تو سب کہا سُنا بیکار ہے۔ (۳)

دوسری طرف تنظیمات کے دوران جو قانونی اصلاحات کی گئیں ان میں بھی مغربیت اور مغرب پرستی کی شدت دکھائی دیتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اصلاحات مغربی ملکوں کو میسّر مراعات پر مبنی تھیں جن کا مقصد محض عیسائیوں کا تحفظ تھا۔ مزید یہ ہے کہ جو ادارے اصلاحات کو نافذ کرنے کے لیے قائم کیے گئے تھے وہ مغربی طرز کے تھے۔ عاکف مغربیت کے اس سطحی مفہوم سے نہایت بیزار نظر آتے ہیں۔ عاکف کے خیال میں مغربیت پسندی کی خاطر ترک قوم اور سلطنت نے اپنی دینی، اخلاقی، قانونی اور نسلی اصلیت کھودی۔ ان کے نزدیک مغرب سے درآمد شدہ افکار ترکوں کے لیے موزوں نہیں ہیں۔ اس لیے انہوں نے مغرب سے درآمد شدہ وطن پرستی اور قومیت پرستی کے خلاف دفتر کے دفتر سیاہ کئے اور عوام وخواص کو بیدار کرنے کی انتہائی کوشش کی۔ اقبال کی طرح عاکف کی نظر میں بھی قوم پرستی اور وطن پرستی کا نظریہ مسلمانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سنگیں منصوبہ ہے۔ اس لیے وہ ملّی اتحاد پر زور دیتے ہیں:

جب تک تفریق ملت کے اندر نہیں آتی، دشمن آ نہیں سکتا
دل مل کر دھڑکیں تو توپ کا گولہ اُڑا نہیں سکتا۔(۴)

سلطنت عثمانیہ کے دور میں عثمانی قوانین کو مذہب سے الگ رکھنے کی جو کوشش ہوئی تھی عاکف اس کے سخت مخالف تھے۔ وہ بھی اقبال کی طرح مذہب اور سیاست کی علیحدگی کے قائل نہیں تھے۔ مغربی تہذیب کی عطا کردہ حریتِ وجدان کا نظریہ عاکف کے نزدیک مذہب اور سیاست کی علیحدگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ مغربی تہذیب کی فحاشی، مذہب سے بیزاری اور گمراہ کن نظریات کو اور خود مغربیوں کو یوں تنقید کرتے ہیں:

کُتّے پالنے کے لیے مغرب کی سرزمین نہایت زرخیز ہے
اور یہ کتوں کا گروہ فحاشی بوتا ہے ہر سمت
چند بے حیا مذہب پر یلغار کرتے ہیں اور ان کے لیے تالیاں بجتی ہیں
اور افسوس ہے کہ نسلِ حاضر اس بے حیائی کو حریتِ وجدان سمجھتی ہے۔ (۵)

ایک مفکر شاعر ہونے کے ناطے ان کے خیالات ونظریات کا عکس ان کے منظوم کلام ٗصفاحاتً اور مختلف مضامین میں دیکھا جاسکتا ہے۔ عاکف تحریکِ اتحادِ اسلامی کے زبردست حامی تھے اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے دو رسالے ٗسبیل الرشادً اور ٗصراطِ مستقیم ٗ بھی جاری کئے جن میں زیادہ تر خود عاکف کے ہی مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ گو ان مضامین کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں تاہم عاکف کی تمام تر شہرت اور مقبولیت کا بڑا سبب وہ مجموعہء کلام ہے جو سات جلدوں پر مشتمل ہے اور صفاحات کے عنوان سے ملتا ہے۔ عاکف کے کلام میں مغرب کے خلاف بے شمار اشعار اور لمبے لمبے مکالمے موجود ہیں۔ اس لیے ان کے شعری مجموعوں کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

عاکف کا پہلا مجموعہء کلام صفاحات ہے اور کلیاتِ عاکف بھی صفاحات کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کی نظمیں پہلے عاکف کے شائع کردہ رسالے صراطِ مستقیم میں طبع ہوئیں۔ اس میں پندرہ سو اشعار ہیں۔ مگر عاکف کو محض شاعر کہنا شاید کسی حد تک صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے ایک بڑے مقصد کی خاطر شاعری کا سہارا لیا اور اپنی بات شاعری کے قالب میں ڈھال کر کہی۔ ان کی شاعری میں شاید ہی کوئی ایسا شعر ملے جو مروجہ شاعری کی طرز پر ہو جس میں گل وبلبل کے افسانے ہوں یا عشق وعاشقی کے معاملات موضوع کلام بنائے گئے ہوں۔ ایک نامور ترک نقاد عاکف کی شاعری پر لکھتے ہیں: ٗصفاحات کی بابت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارے معاشرے کی زندگی کی کہانی ہے جو شعر کے قالب میں ڈھالی گئی ہے۔ً (۶) دراصل عاکف شروع میں غزل کہتے تھے، مگر چونکہ وہ فن برائے زندگی کے نظریے پر یقین رکھتے تھے اس لیے غزل گوئی ترک کر کے نظم گوئی پر توجہ دی کیونکہ نظم گوئی ان کے افکار کے لیے زیادہ موزون تھی۔ عاکف اپنے فن کے بارے میں یہ فرماتے ہیں: ٗجب سے میں نے اپنے آپ کو اپنی ملّت کے حضور پیش کیا تب سے میں نے فن کا نہیں بلکہ جمعیت کی فکر کی۔ً (۷) اس بارے میں کلیاتِ عاکف کے مقدمہ نگار کے الفاظ یہ ہیں: ٗعاکف کے فن میں زندگی اپنے اصل رنگ وروپ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ فن میں حقیقت پسندی کے قائل ہیں۔ً (۸) اس لیے صفاحات کے موضوعات زیادہ تر معاشرتی، اخلاقی، اجتماعی اور

ملی حوالوں سے مملو ہیں۔جن میں عاکف ترک عوام کے طورطریقے، معاشرتی مشکلات ،فکری کشمکش اورایمان وعقائد کی تصویرکشی کرتے ہوئے انہیں اسلامی اندازِ زیست کا درس دیتے ہیں۔کلام میں ہر جگہ غالب احساس مذہب اور جذبہء جدوجہدِ آزادی ہے۔اگرچہ مذہبی خیالات ان کے تمام کلام میں جاری وساری ہیں لیکن یہاں ان کا اثر قدرے زیادہ ہے۔اس لیے عاکف پر ان کے بعض ہم عصروں نے رجعت پسندی اور مذہبی دیوانگی کا الزام لگایا۔ مگر بعد کے کئی ممتاز ترک ادیب اور نقادوں نے اس خیال کی سختی سے تردید کی کہ عاکف رجعت پسند تھے یا ان میں مذہبی دیوانگی کا شائبہ تھا۔دراصل عاکف نے اسلام کو تعقل پسند مذہب کی حیثیت سے قبول کیا تھا۔مغربی علوم اور اثباتی سائنس سے واقفیت کے باعث ان کے خیالات کی بنیاد منضبط منطق پر تھی۔

عاکف کا دوسرا مجموعۂ کلام ''جامع مسجد سلیمانیہ کے منبر پر'' کے نام سے ۱۹۱۲ء میں منظرعام پر آیا۔ایک ہزار مصرعے کے اس مجموعے میں عالم اسلام کے وہ مسائل زیرِ بحث لائے گئے جو اس دوران عالم اسلام اور خاص طور پر ترکوں کو پیش آئے۔اس طویل نظم میں عاکف اپنے مفکرانہ خیالات کا اظہار ایک سالخوردہ بزرگ (۹) کے منہ سے کرواتے ہیں۔نظم میں عاکف قاری کو ساتھ لے کر جامع مسجد سلیمانیہ میں داخل ہوتے ہیں۔منبر پر ایک بزرگ دکھائی دیتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ میں تمہیں ملتِ اسلامیہ کا حال بتاؤں گا۔(۱۰) منبر نشین بزرگ جو عاکف کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں،نظریۂ قومیت کی زبردست تردید کرتے اور مسلمانوں کو سائنسی علوم کی تحصیل پر مائل کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اسلام نے کبھی جدید علوم کی مخالفت نہیں کی اور نہ ہی اسلام ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔عاکف یہ بخوبی جانتے ہیں کہ ملک وقوم کی ترقی کے لیے فن اور ٹیکنالوجی کی ضرورت ہے اور یہ چیزیں زمانہء حاضر میں صرف مغرب میں ہیں اور انہیں ہر حال میں حاصل کرنا چاہیئے ۔ان کے خیال میں علم وفن کی کوئی قومیت نہیں ہوتی:

اکتساب کر لیجیے مغرب کا علم، اخذ کر لیجیے اس کا فن
اگر چاہیں تو اس میں پوری مساعی صرف کر دیجیے
کیونکہ اب ان کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں
کیونکہ صرف علم و فن کی کوئی قومیت نہیں ہوتی۔(۱۱)

منبر نشین بزرگ سے اپنی بات کہلواتے ہوئے عاکف ترکوں کی مغرب زدگی پر افسوس کرتے ہیں اور ترکی کی سیاسی کشمکش ،اخلاقی پستی معاشی ومعاشرتی بدحالی کا سبب اربابِ فکر اور عوام کے درمیاں فکری بُعد کو قرار دیتے ہیں۔(۱۲)

تیسری کتاب کا نام 'صدائے حق' ہے۔ صفاحات کی یہ تیسری جلد آیات وقصصِ قرآنی اوراحادیثِ نبوی کی تفسیر کے لئے مخصوص ہے۔جن کو شاعر نے بعض ایسے موضوعات کی وضاحت کے لئے منتخب کیا ہے جن پر وہ بحث کرنا چاہتے ہیں۔ان میں رنگ ونسل کے امتیاز کی نفی،علم وفن کے اکتساب کے لیے سعیِ مسلسل کی ضرورت، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب اورملت اسلامیہ میں اتحاد کی ضرورت جیسے موضوعات شامل ہیں۔مثلاً پہلی ہی نظم میں سورۃ آل عمران کی آیت 'وتعزمن تشاء وتذل من تشاء' کا حوالہ دے کرمسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور کفار کی عظمت وبرتری پر خدا سے شکوہ کرتے ہیں۔ساتھ ہی مغرب سے درآمد شدہ وطن پرستی و قوم پرستی کی نفی کرتے ہوئے علم وہنر کی اہمیت پر زور دیتے ہیں۔ اس مجموعے کے اشعار میں عاکف کی مغرب سے مخالفت اورزیادہ سخت ہوجاتی ہے۔

تُھوکیں مارو اہلِ صلیب کے بے حیا منہ پر
تُھوکیں مارو ان کے ناپائیدارعہدو پیمان پر
ان کو دیکھ کر سمجھ لو کہ جس کو تہذیب کہتے ہیں کیا شے ہے
تُھوکیں مارو عصرِ حاضر کے نقاب پوش وجدان پر۔(۱۳)

چوتھا مجموعہ ' جامع مسجد فاتح کے منبر پر' کے نام سے سامنے آیا ہے۔اٹھارہ سومصرعوں کی یہ کتاب ایک ہی طویل نظم پر مشتمل ہے۔ جو دو دوستوں کے درمیان مکالمے کی صورت میں ہے۔ دونوں دوست ملک کی مختلف صورتِ حال اورعمارتوں پر بحث کرتے ہوئے مسجد فاتح میں داخل ہوتے ہیں اور خطبہ سنتے ہوئے مختلف باتیں سوچتے اوران کے عقلی جوابات نکالتے ہیں۔عاکف اس طویل نظم میں معاشرے کو چار مختلف طبقوں میں تقسیم کرتے ہیں: ایک طبقہ وہ ہے جومظلوم ہے اورغفلت کی گہری نیند میں سو رہا ہے، دوسرا طبقہ تقدیر پرست اور مایوس طبقہ ہے اور تیسرا طبقہ بے عملی کی زندگی بسر کرتا ہے اورزندگی سے بے تعلق ہے۔چوتھا طبقہ جوکہ عاکف کی تنقید کا نشانہءمشق بنا ہوا ہے وہ طبقہ ہے جومغرب پرستی میں مبتلا اورعوام کے مسائل سے غافل اپنی عیش وعشرت میں پڑا ہوا ہے۔یہ چوتھا طبقہ عاکف کے نزدیک معاشرے کے لیے خطرناک تریں طبقہ ہے۔(۱۴) عاکف کے نزدیک عوام کی اس تقدیر پرستی، بے عملی اور کاہلی نے ان کی زندگی کو معاشی،معاشرتی اورسیاسی ہر سطح پر تباہ کردیا ہے۔لیکن عاکف اس تباہی اور بربادی کا ذمہ دار تقدیر کو نہیں ٹھہراتے بلکہ ان کے نزدیک اس کشمکش اور زبوں حالی کا سبب اتحاد کی کمی اور تقلیدِ مغرب ہے۔عاکف اس مجموعے میں مغرب کے تصوراتِ سیاست کی خامیاں بتاتے ہوئے پوری اسلامی دنیا اور

خاص طور پر ترکی کے عوام کو ان نظریات میں پوشیدہ خطروں سے آگاہ کرتے ہیں:

سیاست کا خون، مادہ پرستی اور زندگی اس کی سطوت ہے
زبون کش یورپ صرف ایک بات پر ایمان رکھتا ہے اور وہ ہے طاقت۔(۱۵)

کلیات عاکف کا پانچواں مجموعہ 'خاطرات' کے نام سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ مختلف نظموں پر مشتمل اس کتاب کے عنوانات زیادہ تر آیاتِ قرآنی سے ماخذ ہیں۔ اس میں بھی اپنے مخصوص انداز میں عاکف مغرب اور مغربی افکار کو طنز کا نشانہ بناتے اور مشرقی اقوام کو بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ 'جاگو' کے عنوان سے جو قطعات ہیں ان میں اقوام شرق کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

اے عظیم شرق! اے ابدی مسکنت!
تم بھی تو ذرا اپنی جگہ سے ہلنے کی نیت باندھو
مجھے ڈر ہے کہ کل تک مغربیوں کے ہاتھوں
ایسی کوئی ذلت نہ بچے گی جو تم نے نہ اٹھائی ہو۔(۱۶)

'عاصم' کلیاتِ عاکف کی چھٹی کتاب ہے جو ۱۹۲۴ء میں چھپی۔ یہ ڈرامائی طرز کی تخلیق ہے اور عاصم اس کے چار کرداروں میں سے ایک کا نام ہے۔ نظم چونکہ جنگِ آزادی کے دوران لکھی گئی ہے اس لیے اس میں جنگ کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ مغرب کے استعماری ممالک پر، جو ترکی کے مختلف حصوں پر قبضہ کر چکے تھے، سخت نکتہ چینی ملتی ہے۔ اس کے ساتھ عاکف صرف مغربی افکار پر ہی اپنی مخالفت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ایک مضبوط اور با کردار سپاہی اور مثالی مسلمان نوجوان کے بطور عاصم کے کردار کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اس کردار کے بارے میں ایک ترک نقاد یہ رائے دیتے ہیں: ' سعیِ مسلسل، کامرانی، خودداری اور انسانی خوبیوں سے متصف یہ نسل مستقبل کی نسل ہے۔ جنگِ آزادی کے دوران نمودار ہونے والا یہ کردار عاکف کے ہاں پوری نسل کے لیے مستقبل کا آئینہ دار ہے۔' (۱۷) عاصم واقعی عاکف کا شاہکار ہے۔ لسانیاتی نقطہ نظر سے یہ نظم ترکی زبان کی بلاغت کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ ہر مصرعے میں عاکف کا قلم زبان کے نت نئے حسن اور خزانے کو بے نقاب کر کے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

عاکف کا آخری مجموعہ ''سائے'' کے نام سے کلیات میں شامل ہے جو ۱۹۳۳ء کی تصنیف ہے۔ اکتالیس منظوم حصوں پر مشتمل اس مجموعے میں عاکف کے پہلے والے موضوعات نہیں ملتے۔ چونکہ یہ مجموعہ عاکف کے قیامِ مصر کے دوران (۱۹۲۶ تا ۱۹۳۶) کا کلام ہے اس لیے اس میں زیادہ تر اپنی غریب الوطنی کا افسوس اور تنہائی

کا نوحہ نمایاں جذبے کے طور پر ابھرتا ہے۔اس مجموعے میں شامل شاہکار نظموں میں ایک نظم 'بلبل' کے عنوان سے شامل ہے جس میں عاکف بلبل کے چہچہانے کو ایک نوحہ خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا حق صرف مجھ کو ہے کہ جس کا گھر یعنی وطن برباد ہوگیا ہے۔

عاکف کے ہاں مغربی تہذیب کے متعلق مخالفانہ تنقید ہی ملتی ہے اور یہ مخالفت اس کی رگ و پے میں اس قدر رچی ہوئی ہے کہ اپنی اکثر نظموں میں جا بجا اس پر ایک ضرب رسید کر دیتے ہیں۔عاکف کی تصانیف دیکھ کر اس بات کا پتا چلتا ہے کہ عاکف کو مغربی تہذیب میں خوبی کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔مغربی تہذیب کے ہر پہلو میں عاکف کو فساد ہی فساد دکھائی دیتا ہے۔اسی لیے عاکف مغربی تہذیب کے خطرات سے مشرقی اقوام خصوصاً ترکوں کو بار بار آگاہ کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ مغرب کی تقلید و پیروی ان کے حق میں کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی۔گویا اس لحاظ سے وہ اکبر الہ آبادی اور اقبال کے بہت قریب آ جاتے ہیں۔

حوالے:

۱۔ Karakoç, Sezai; "Mehmet Akif", Diriliş Yayınları, İstanbul 1987, p. 15,

۲۔ Yetiş,Kazım; "M.Akif'in Sanat-Edebiyat ve Fikir Dünyasından Çizgiler," Atatürk Kültür, Dil ve Tarih Kurumu, Ankara 1992, p. 79

۳۔ Ersoy, M. Akif, "Safahat" Diyanet İşleri Başkanlığı Yayınları, Ankara 1992, p. 153

۴۔ایضاً، ص۱۵۰ ۵۔ایضاً، ص۱۴۸ ۶۔ Karakoç, p. 42

۷۔صفحات، ص XXXVIII ۸۔ایضاً، ص XXXVII

۹۔عبدالرشید ابراہیم افندی (۱۸۵۳۔۱۹۴۴) دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو ترکی کے جھنڈے کے نیچے اکٹھا کرنا ان کا مقصدِ خاص تھا۔

۱۰۔صفحات، ص۱۳۴ ۱۱۔ایضاً، ص۱۵۷ ۱۲۔ایضاً، ص۱۵۲

۱۳۔ایضاً، ص۱۶۸ ۱۴۔ایضاً، ص۲۳۶ ۱۵۔ایضاً، ص۲۱۵

۱۶۔ایضاً، ص۲۵۰ ۱۷۔ Karakoç, p. 40